بریلویت
حقائق کے آئینے میں

جس میں تقریباً دوسو (۲۰۰) بریلوی کتب اور رسائل سے مستند مکمل
حوالہ جات اور ۲۱۵ مکمل صفحات کے فوٹو عکسوں کے ذریعے ایسے
حقائق پیش کیے گئے ہیں، جن سے اکثر بریلوی علماء بھی واقف نہیں۔
اور
جن کا دفاع کسی دیانت دار بریلوی محقق کے لیے بھی مشکل ہی ہوگا۔

مصنف
پروفیسر حافظ غلام محمد میمن

پسند فرمودہ و دُعائیہ کلمات
حضرت مولانا محمد ابراہیم سجاولی صاحب
الجامعۃ الاسلامیہ باب الاسلام ٹھٹھہ سندھ

بریلویت کے سب اہم
پہلوؤں پر پہلی جامع کتاب

بریلویت
حقائق کے آئینے میں

جس میں تقریباً دو سو (۲۰۰) بریلوی کتب و رسائل سے مستند عکسی
حوالہ جات اور 54 مکمل صفحات کے فوٹو عکسوں کے ذریعے ایسے
حقائق پیش کیے گئے ہیں، جن سے اکثر بریلوی علماء بھی واقف نہیں۔

اور

جس کا دفاع کسی دیانت دار بریلوی محقق کے لیے بھی مشکل ہی ہوگا۔

مصنف: پروفیسر حافظ غلام محمد میمن

ناشر: مکتبہ اصلاح و تبلیغ، حیدرآباد

کتاب	بریلویت۔ حقائق کے آئینے میں
مصنف	پروفیسر حافظ غلام محمد میمن صاحب
قانونی مشیر	آفتاب احمد شیخ (ایڈووکیٹ)
	انورایڈووکیٹس اینڈ کمپنی، ہائی کورٹ آف سندھ
صفحات	452
فوٹو عکس والے صفحات	54
جملہ صفحات	506
طابع	حافظ غلام محمد میمن صاحب
	مکان نمبر 2970/4، سخانی کالونی،
	نزد قادری مسجد، حیدرآباد (سندھ)
ناشر	مکتبہ اصلاح و تبلیغ حیدرآباد (سندھ)
ملنے کے پتے	اقبال بک سینٹر صدر، کراچی
	نور محمد کارخانہ تجارت و کتب، آرام باغ، کراچی
	قدیمی کتب خانہ آرام باغ، کراچی
	مکتبہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی نمبر 4، کراچی
	صابر حسین شیخ بک ایجنسی، اردو بازار، لاہور

اور ملک کے بہت سے مشہور کتب خانوں سے فوری طلب کریں۔

تقریظ

محترم حضرت مولانا محمد ابراہیم میمن سجاولی صاحب مدظلہ العالی

مہتمم و شیخ الحدیث، مدرسہ باب الاسلام ٹھٹھہ (سندھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

محترم دوست پروفیسر حافظ غلام محمد میمن سے میری ملاقاتوں اور صحبتوں میں تیزی سے اضافے اور استواری کی بنیادی وجہ تو ان کی تکلف اور تصنع سے بری اور خلوص و محبت سے بھری شخصیت ہے، لیکن ایک خصوصی وجہ یا خاص محرک ان کا علمی ذوق، وسیع مطالعہ، سوچ کی صحیح نہج اور عقائد کی پختگی ہے۔ بدعت کو وہ ختم نبوت سے کھلی بغاوت سمجھتے ہیں، اور بریلوی اعمال و عقائد کو وہ کفر و ایمان کی سرحد پر سمجھتے ہیں، جو کبھی اس طرف اور کبھی اس طرف، لیکن اکثر اس طرف ڈولتے رہتے ہیں۔

اپنی معاشی ذمہ داریوں کی وجہ سے وہ مدتوں مصروف رہ کر سند یافتہ دینی عالم تو نہ بن سکے لیکن صبح و شام کے اوقات میں حفظ اور تجوید کے استاد نے شروع جوانی اور شروع علمی دور میں ان کو حکیم الامت حضرت علامہ مولانا اشرف علی تھانویؒ، دور لکھنؤ (بھارت) کے باوقار اور معتبر ماہوار رسالہ "الفرقان" اور اس ادارہ کی مطبوعات، اور اکابر علماء دیوبند وغیرہ، اور ان کی کتابوں سے آشنا کر کے ان کے مطالعہ کے ذوق کو صحیح سمت عطا کر دی۔

ان ہی استاد مرحوم کی رہنمائی میں ان کو اس دور کے قطب الاقطاب حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجوی سے بیعت اور کافی صحبتیں بھی نصیب ہوئیں۔ بعد میں حضرت مولانا عبدالکریم قریشی بیر شریف والے سے بیعت اور ہمارے استاد حضرت مولانا نور محمد سجاولی، بانی و مہتمم مدرسہ باب الاسلام ٹھٹھہ سے ان کے آخر دور میں طویل صحبتوں کے مواقع نصیب ہوئے، جن کی برکتوں سے ان کی سوچ اور مطالعہ کی نہج اور سمت ہر وقت درست رہی، اور اس میں نکھار آتا رہا۔

اسلامیات، اسلامی تاریخ اور حالات و مسائل حاضرہ پر منتخب معیاری کتب و رسائل پر مشتمل ان کی ذاتی لائبریری مجھے ایک طرح سے خود کفیل نظر آئی، جس میں آئے دن مفید اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ قدیم اور ماضی قریب کی تاریخ اور دور حاضر کے ایک سے زیادہ پہلو رکھنے والے واقعات،

وصدقات، فضائل درود، مسنون دعاؤں، جیسے عام موضوعات پر کسی کتاب کے لئے بھی آپ کو کئی دکانیں ڈھونڈنی پڑیں گی۔ پھر بھی کامیابی مشکل ہی ہوگی!

ہماری اپنی ماجرا

اس مصنف نے حیدرآباد سندھ کے شمال میں ۲۵ کلومیٹر دور قومی شاہراہ پر واقع قصبہ ٹنیاری میں ۱۹۳۰ء میں جنم لیا اور پرورش پائی۔ بریلویت کا نام بھی ۱۹۵۶ء میں سنا☆۔ یار لوگوں نے جو پر پھیلائے، تو ان کے مواعظ وتقاریر کے اکثر موضوعات، انتہائی غیر مہذب الفاظ میں دوسروں پر الزامات، سنے سنائے قصے کہانیوں سے عقائد بنانے اور بتانے، خود شہر میں موجود دینی کام کرنے والوں سے ناواقفیت کے باوجود ان سے ملنے اور پوچھے بغیر سنی سنائی باتوں پر ان پر الزامات جڑنے اور فتوے جڑنے کے علاوہ کچھ نہ سنا۔ ہر وعظ میں دیوبندیوں وہابیوں پر گندے الزامات اور تبرے اور نعرے، وغیرہ ہی سنے۔ یہ منفی ہی منفی کام دیکھ کر جی ایسا کڑوا ہوا، کہ ان کو مزید سننے، پڑھنے سے طبیعت قطعی اچاٹ ہوگئی۔

دیوبندی کتب کا مطالعہ

کالج میں ملازمت ملنے کے بعد ۱۹۶۳ء سے گھر بار سمیت حیدرآباد میں رہائش اختیار کی، الحمدللہ کتابیں خریدنے اور مطالعے کا خاصا ذوق تھا۔ بریلویت کی ایک آدھ کتاب نے ہی پھر ادھر رخ کرنے سے ہی روکے رکھا۔ ۱۹۸۰ء کے عشرے کے آخر میں ایک دوست نے ارشد قادری کی کتاب "زلزلہ" دکھائی، کہ اس میں بڑی سنجیدگی اور فنکاری کے ساتھ دیوبندیوں کے عقائد اور اعمال میں جو تضادات دکھائے گئے ہیں، ان کا آپ کیا جواب دیں گے؟ یہی بریلویت کے مطالعہ کا محرک بنا۔ ریٹائرمنٹ نے فراغت بھی مہیا کی۔ حیرت انگیز انکشاف ہوتے رہے۔ اور ان حوالوں والی کتابوں کی تلاش، پھر ان کے حوالوں کی تلاش کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ دیوبندیوں کی تو کافی کتابیں پہلے موجود تھیں، اور باقی سب آسانی سے مل گئیں۔ لیکن بریلویوں کی اصل کتابیں ہاتھ کرنا فرہاد والی کان کنی ثابت

(☆) واضح رہے کہ تقسیم سے پہلے بریلویت سندھ میں خال خال مقامات پر ہی تھی، یہاں یہ تقسیم کے بعد ہجرت کر کے ہی وارد ہوئی۔ اور کچھ سالوں کے بعد پر پھیلانے شروع کئے۔ یہ بریلویوں کو بھی اعتراف ہے۔

ہوئی۔ حیدرآباد، کراچی، لاہور تک کی دکانوں کے علاوہ یاروں دوستوں اور لاہور تک کی لئبریریوں سے مکمل کتابوں کے عکس تک حاصل کرنے پڑے۔ جو کتابیں ہاتھ کر کے مختلف حوالہ جات کی ذاتی تصدیق کے لئے مطالعہ کرنی پڑیں، ان کی فہرست اس کتاب کے آخر میں "مراجع وماخذ" کے عنوان کے تحت شامل ہے۔ کوئی بھی صاحب مطلوب صفحات یا پوری کتابوں کے فوٹو کاپی عکس منگوا سکتا ہے۔

کئی کتب، خصوصاً اعلیٰ حضرت، ان کے بیٹوں، اور خصوصی شاگرد حشمت علی خان کی کتابوں کا مطالعہ کافی سے زیادہ کوفت اور کرب کا باعث بنا۔ جن کو حیرت سے بار بار پڑھنا پڑا، خصوصاً ان کی زبان اور دھڑا دھڑ کفری فتووں، ان کے دلائل، ادھورے حوالوں اور غلیظ زبان پر بار بار رکنا، متلی کی کیفیت کو روکنا اور استغفار پڑھنا پڑا۔

علمی دنیا کی غلیظ ترین زبان

ان سب میں زبان ایسی استعمال کی گئی ہے، کہ...... چلئے چھوڑیئے، اس کو پھر دہرانے کا حوصلہ کوئی کہاں سے لائے! ہم نے اس کے کئی نمونے، ۱۲ مکمل صفحات کے فوٹو عکسوں کے ساتھ اس کتاب کی آٹھویں فصل میں دیئے ہیں، آپ ہی زحمت کر کے وہیں دیکھ لیں۔ ہم کو ان کے تصور سے بھی متلی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، یہاں ہم صرف ایک ہم عصر، جو دیوبندی نہیں تھے، بلکہ خیرآبادی سلسلے کے جید عالم تھے۔ جس کو بریلوی رسالہ "المیزان" بمبئی نے بھی اپنے ۱۹۷۶ء کے احمد رضا نمبر میں "آفتاب علم" کے لقب سے نوازا ہے، یعنی مولانا معین الدین اجمیریؒ (متوفی ۱۹۴۰ء) کا حوالہ دیتے ہیں۔ جو اپنی کتاب "تجلیات انوار المعین" میں اعلیٰ حضرتی زبان کے کافی حوالے دینے کے بعد صہ ۳۴ پر لکھتے ہیں، کہ:

"یہ مثالیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں، جن کو کل کے ساتھ قطرے کی نسبت ہے: جن کے لئے خلقت کہتی ہے کہ صریح فحش ہے..... ایسے شخص کو نیکی کا اصل درجہ بھی نہیں دیا جا سکتا، نہ کہ اس کو وقت کا شیخ اور مجدد تسلیم کرنا..... اس فحش بازاری زبان پر بھی اگر کوئی جماعت اس کو مقتدا تسلیم کرتی ہے۔ تو پھر وہ بازاریوں اور پاک شہیدوں کی کیوں نہیں معتقد ہو جاتی۔"

"اس آفتاب علم" کو کیا معلوم تھا کہ، اس کی رحلت کے تیس برس بعد ایک طبقہ کی

طرف سے ایسے شخص کو صرف مقتدا تسلیم نہیں کیا جائے گا، بلکہ اسی کو شائستگی و تہذیب کے سرٹیفکیٹ دے کر "مجدد مائۃ حاضرہ، حضور پرنور رضی اللہ عنہ" تسلیم کر کے، اسلامی دنیا کی سب سے اونچی اور بے مثل عبقری شخصیت تسلیم کرنے اور کرانے کے لئے ایک بھرپور مہم چلے گی، کہ وہ انبیاء کی طرح معصوم تو نہیں، لیکن صحابہ کی طرح محفوظ ضرور تھے، پردے کے پیچھے حضور ﷺ بتاتے تھے، اور احمد رضا بولتے تھے، ان کے قلم کو خطا سے محفوظ کر دیا گیا تھا، پہلے حج کے موقع پر (۳۴ سال کی عمر میں) اس کو منیٰ کی مسجد خیف میں مغفرت کی ایسی یقینی بشارت دیدی گئی تھی، کہ بعد میں اس نے نفل عبادت اور ورد وظائف ضروری نہیں سمجھے۔ وہ علم و تقویٰ کے اس مقام پر تھے، کہ اس کی کسی دلیل کے بعد کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں۔ یہ سب کچھ ہم نے اس کتاب کی تیسری فصل میں مکمل حوالوں کے ساتھ دکھایا ہے، کہ کیسی شخصیت کو کس طرح جان بوجھ کر سب عیب چھپا کر ایک طلسماتی دیومالائی کردار دیا جا رہا ہے۔

کفری فتووں کی بھرمار کے بارے میں بھی سب موجود کتابوں سے یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا، کہ ہم تو صرف دیوبندیوں کو ہی نشانہ سمجھ رہے تھے۔ لیکن اس حضرت اور اس کی ذریت نے تو اپنے محدود ٹولے کے سوا کسی کو مسلم نہیں رہنے دیا۔ یہ ہندستانی مسلمانوں کی وجود کی بقاء کا اہم ترین اور فعال دور تھا۔ جس میں مسلمانوں نے حیرت انگیز قوتوں اور صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ اور دینی تعلیم کے علاوہ دنیوی تعلیم، سماجی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی میدانوں میں حیرت انگیز کارکردگی دکھائی۔ حیرت ہے، کہ اس محدود ٹولے کی تنقید اور کفری فتووں سے کوئی گروہ اور کوئی اہم شخصیت نہیں بچ سکی۔ یہ دائرہ اتنا وسیع تھا، کہ آج کے بریلوی محققوں کے سامنے یہی عرض کی جا سکتی ہے، کہ اعلیٰ حضرت کے کام پر ملکی وغیر ملکی یونیورسٹیوں سے ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریوں کی بھرمار کے اس دور میں کسی محقق کو یہ عنوان دلوائیں، کہ وہ تحقیق اور مکمل حوالوں کے ساتھ دکھائے، کہ اس دور کی اہم شخصیات اور اداروں، حتیٰ کہ باہمی امداد کی انجمنوں میں سے کون سی ایسی ہیں، کہ بریلوی تکفیر کی زد سے بچ سکیں۔

ایک مسئلہ ۶۳۵ – اور ۲۰۲۵ کفریہ الزام!

انتہا تو یہ ہے، کہ اخیر سالوں میں زندگی بھر عقائد و رسوم میں ہم مسلک، پیری رشتے میں ہم مرشد، بدایونیوں اور رامپوری وہیلی بھتی علماء نے بھی صرف ایک فروعی مسئلہ یعنی جمعے کے خطبہ کی اذان مسجد کے اندر یا باہر دینے پر اختلاف ظاہر کیا، تو دلائل کی لین دین میں بدایونیوں پر ۶۳۵، اور رامپوریوں وہیلی بھت والوں پر دوہزار پچیس کفری الزام لگا ہی ڈالے۔ یہ حیرت انگیز کارنامہ دیکھنا ہے، تو ہماری اس کتاب کی ایک الگ فصل ہشتم ملاحظہ فرمائیں۔

اس لحاظ سے تو دیوبندی خوش بخت ہی نظر آتے ہیں، کہ ان پر صرف کچھ ہی کفری الزامات لگ سکے۔ ساتھ ہی یہ دیوبندی طبقہ کی حقانیت، علمی رسوخ اور قلمی احتیاط کی ایسی مثال ہے، جس کو ان کی کرامت ہی کہا جا سکتا ہے، کہ کفری الزامات نکالنے کا ایسا ماہر شخص بھی صرف چار ہی کفری الزامات گھڑ سکا۔ ان الزامات کی اہمیت اور خاص فنکارانہ مہارت کی وجہ سے ہم نے ان کا مکمل جائزہ گیارھویں فصل میں پیش کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت کا فطری انجام- پچاس سالہ طویل دور فترت

اس تفصیلی مطالعے سے ہی ہم کو یہ بھی معلوم ہوا، کہ اعلیٰ حضرت کا پچاس سالہ کام صرف منفی ہی منفی تھا۔ کسی تعمیری اور مثبت کام میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ یہ دور برصغیر کے مسلمانوں کے لئے اپنے وجود کی بقا یا فنا ہوجانے کا تھا۔ اور انھوں نے نہ صرف جی کر دکھایا، بلکہ سیاسی میدان میں بھی تحریک موالات کے دور تک وہی چھائے رہے۔ گاندھی نے بھی اسی تحریک میں شامل ہو کر ہی سیاسی مقام حاصل کیا۔ احمد رضا خان نے دینی علوم، دنیوی علوم، مختلف معاشرتی اور معاشی تنظیموں، قومی بیداری پیدا کرنے والی شخصیات، اداروں، ہر ایک کی بھرپور مخالفت کی۔ ہر ایک کو کفر کی خلعتوں سے نوازا۔ جس کا فطری انجام یہ ہوا، کہ اس کا انتقال اس حال میں ہوا، کہ غالب مرحوم کے یہ قول: "اور اگر مرجایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو" – اور واقعی یہی ہوا:-

آج کل کی بریلویت کی احیائے نو کی مہم کے سب سے نمایاں اور اپنے کام کی وجہ سے اس حلقے میں ماہر رضویات لقب پانے والے ڈاکٹر مسعود صاحب کو بھی اپنی شروع دور کی کتابوں "فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں" اور "سوانح اعلیٰ حضرت" میں یہ اعتراف کرنا پڑا، کہ اعلیٰ حضرت نے ۱۹۲۱ء میں رحلت کی، تو اس سے اپنے بھی خفا تھے۔ مکمل نصف صدی تک سنجیدہ انسان اس طرف رخ کرتے بھی جھجکتا تھا۔ رحلت کی نصف صدی